

عالمِ اسلام

مصر کا زہانقلاب اس کے اندر وئی حقائق

(از جناب خلیل حامدی صاحب)

جمال عبدالناصر کی موت کے بعد منصبِ صدارت کے امیدواروں میں سب سے زیادہ جس کا نام لیا جا رہا تھا وہ علی صبری تھا جو سیاسی حلقوں میں "ماسکو کا آدمی" کہلاتا تھا۔ مگر حالات نے انور السادات کو یہ منصب بخش دیا۔ اب علی صبری کی کوشش یہ تھی کہ وہ یا تو سادات کو ٹبا کر خود یا اپنے گروہ کے کسی فرد کو مصر کی صدارت پر راجحان کرے اور یا سادات کو اپنا تابع مہمل بنا کر رکھے۔ پالیسی وہ خود بنائے اور سادات کا کام اس کی تنفیذ ہو۔ یوں سادات اور علی صبری کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی۔ اقتدار کی کشمکش نے سیاسی اختلاف کا روپ دھار لیا۔ اس کشمکش نے دو موقعوں پر شدت اختیار کر لی پہلا موقع وہ تھا جب سادات نے راجز پلان کو قبول کر لیا۔ اس پلان کی رو سے مسئلہ فلسطین کو اجزاء میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ایک ایک جز کو الگ طور پر حل کرنے کی اسکیم بنائی گئی تھی۔ چنانچہ سادات نے اس پلان کے تحت یہ بات منظور کر لی کہ پورے مسئلہ فلسطین کو چھپڑے بغیر شروع میں صرف سوئز کو کھول دینے کا منصوبہ بنایا جائے۔ علی صبری نے سادات کے اس موقف کی مخالفت کی۔ بلا ہر اس مخالفت کا عنوان یہ تھا کہ مسئلہ فلسطین کا تجربہ صحیح نہیں ہے۔ مگر اس مخالفت کا اصل پس منظر الحیات (بیروت) کے الفاظ میں یہ تھا:

» سادات نے جونہی راجز پلان کے تحت گفت و شنید کو منظور کر لیا، علی صبری اور سادات کے درمیان اختلاف کا دبا ہوا لاوا اُبل کر باہر آ گیا۔ اس بنا پر نہیں کہ علی صبری فوجی حل کا حامی اور رپرامن حل کا مخالف ہے۔ بلکہ اس لیے کہ علی صبری ہر اس سمجھوتے کے خلاف ہے جس میں روس کو موثر فریق کی حیثیت حاصل نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں مشرق وسطے کے فیصلے کا جو سمجھوتہ صرف امریکیوں کی طرف سے پیش کیا جائے گا علی صبری اُسے قبول نہیں کرے گا۔ جب سادات نے سوئز کو کھولنے کی تجویز منظور کر لی تو علی صبری نے اس دلیل کی بنا پر اس کو

روک دیا کہ عبدالناصر بھی اس طرح کی تجویز کو رد کر چکا ہے۔ چنانچہ علی صبری نے بائیں بازو کے عناصر کو سادات کے خلاف اگسا نا شروع کر دیا۔

سادات نے ۶ مئی ۱۹۷۱ء کو راجرز کا قہرہ میں استقبال کیا اور اُس کی آمد کے ۴ روز پیشتر ۲۲ مئی ۱۹۷۱ء علی صبری کو نائب صدر کے منصب سے برطرف کر دیا۔ اس کے بعد وہ صرف سوشلسٹ یونین کی اعلیٰ انتظامی کمیٹی کا ممبر رہ گیا۔

دوسرا موقع سادات اور علی صبری کی باہمی رشتہ کشی کا وہ ہے جب بنغازی میں سادات نے شام کے حاکم اسد الدیوب کے مقررہ قذافی سے مل کر اتحاد دلائی کے معاہدے پر دستخط کیے اور علی صبری نے اس معاہدے کی صاف صاف مخالفت کی۔ سادات کا موقف یہ تھا کہ اسرائیل کے ساتھ آئندہ بیٹنے کے لیے یہ اتحاد ضروری ہے۔ مگر علی صبری اور اس کا گروہ روس کی حکمت عملی کے تحت عرب اتحاد کا قائل نہیں ہے۔ اور خاص طور پر وہ ایسے اتحاد کو گوارا نہیں کر سکتا جس کا نقطہ ماسکہ سوشلزم نہ ہو۔ اتحاد دلائی کا یہ حال ہے کہ حاکم اسد (شام) کو بعث ازم کا علمبردار ہے مگر کمیونسٹوں کے خلاف ہے۔ مقررہ قذافی بھی کمیونسٹوں اور کمیونسٹوں کا شدید دشمن ہے۔ سوڈان کا حنفہ نمیری بھی اس اتحاد میں شامل نہیں ہو سکا تھا کیونکہ سوڈان کے کمیونسٹ اس کے خلاف تھے۔ مگر سادات نے علی صبری کی مخالفت کے علی الرغم اتحاد کے معاہدے پر دستخط کر دیئے۔ اور یہ معاہدہ جب متحوی کے لیے مصر کی سوشلسٹ یونین کی اعلیٰ انتظامی کمیٹی کے اندر رکھا گیا تو اس کی مخالفت میں ۵ اور حق میں صرف ۳ ووٹ آئے۔ سادات نے یہ سمجھ کر کہ اعلیٰ انتظامی کمیٹی زیادہ تر علی صبری کے حامیوں پر مشتمل ہے اس معاملے کو سوشلسٹ یونین کی مرکزی کونسل میں بحث کے لیے منتقل کر دیا۔ علی صبری اور اس کے حامیوں نے ملک کے گوشے گوشے میں اپنے آدمی بھجوا کر مرکزی کونسل کے ارکان کو آمادہ کر لیا کہ وہ اتحاد کی حمایت نہ کریں۔ چنانچہ جب کونسل کا اجلاس ہوا تو پہلی رائے شماری میں ۱۴۵ اتحاد کے خلاف اور ۵ حق میں ووٹ آئے۔ مگر سادات کے اصرار پر معاہدے میں بنیادی تبدیلیاں تجویز کر کے اُسے منظور کر لیا گیا۔ اس واقعے سے سادات کو اندازہ ہو گیا کہ آئندہ کتنے مضبوط گروپ کے ساتھ اُس کو پالا پڑنے والا ہے۔

اب اس پورے گروپ نے سادات کو صدارت سے الگ کرنے کی اسکیم بنالی۔ یہ گروہ بڑے بااثر لوگوں پر مشتمل تھا۔ مثلاً محمد فوزی وزیر جنگ، شعراوی جمہور نائب وزیر اعظم و وزیر داخلہ، سامی شرف

وزیر ریاست برائے امور صدارت، محمد فائق وزیر اطلاعات، بسیب شقیر اسپیکر نیشنل اسمبلی، سعد زاید وزیر آباد کاری، علمی سعید وزیر، عبدالحسن ابوالنور سکریٹری سوشلسٹ یونین، جنرل حسن طلعت ڈائریکٹر جنرل ٹیلی فون احمد کامل انسپکٹر جنرل پولیس اور بہت سے دوسرے افراد۔ یہ پورا گروپ ان عناصر پر مشتمل ہے جن کی بدولت جمال عبدالناصر مصر پر قدرت دراز تک حکمرانی کرتا رہا۔ دوسرے قتلوں میں مصر میں حکمرانی کی زمام کار چار اداروں کے ہاتھ میں تھی:

۱۔ فوج جس کا پہلا سربراہ عبدالحکیم عامر تھا اور اس کے بعد محمد فوزی۔ المجید دیروت، لکھتا ہے: فوج ہمیشہ مصری حکومت کی محافظ رہی ہے۔ عبدالناصر کے عہد میں بڑے بڑے فوجی افسر حکومت کی حفاظت کا بنیادی کردار ادا کرتے تھے۔ عبدالناصر نے اپنے تمام معاونین فوج میں سے منتخب کر رکھے تھے۔ ایک ہزار پانچ سو بڑے بڑے فوجی افسروں کو سول عہدوں پر لگایا گیا، چنانچہ فوج نے مصر کے اندر جو لوٹ کھسوٹ مچائی اور جس طرح مصری عوام کے جان و مال اور آبرو پر ڈاکے ڈالے اور جون ۶۷ء کی جنگ میں جو بھونڈا کردار ادا کیا۔ اسی کی وجہ سے عوام فوج سے اس قدر متنفر ہو گئے کہ جس فوجی افسر کو وردی میں دیکھتے اُسے اپنے نکتوں اور چوڑوں کا نشانہ بناتے۔ یہاں تک کہ صدر ناصر کو یہ احکام جاری کرنے پڑے کہ کوئی فوجی افسر ڈیرٹی کے اوقات کے علاوہ وردی نہیں پہن سکتا۔ المجید لکھتا ہے: ”ناصر نے آخر کار ملٹری ہیڈ کوارٹر کو یہ حکم جاری کیا کہ تمام افسران کو مطلع کر دیا جائے کہ وہ عام اوقات میں اپنا سرکاری لباس نہ پہنا کریں۔ فوج کے خلافت عوام کے اندر نفرت و حقارت کا طوفان اُبل پڑا جس کے نتیجے میں جمال عبدالناصر کو مجبور ہونا پڑا کہ وہ سیاسی طاقت کی حیثیت سے فوج کو سامنے نہ لائے۔ فوجی افسروں کی بہت بڑی تعداد نے حکومت کی برکات سے سیاسی اور انتظامی قیادت پر قبضہ کر لیا اور ملک کے اندر وہ ایک نیا طبقہ بن کر سامنے آ گئی۔ اُس نے ایسا ظالمانہ راستہ اختیار کر لیا جس نے عوام کے اندر اس کے خلافت انتقام کی آگ بھڑکا دی اور عوام چٹکوں اور لطیفوں کے رنگ میں فوجیوں کو اپنے انتقام کا نشانہ بنانے لگے۔“

۲۔ سوشلسٹ یونین۔ مصری عیثاق کی رُور سے سوشلسٹ یونین مصر کا سب سے بڑا با اختیار ادارہ ہے جس کا اقتدار ریاست اور حکومت دونوں پر حاوی ہے۔ لیکن سوشلسٹ یونین کے لیڈروں نے ملک کے اندر اور ملک کے باہر اپنی ”اشتراکیت نوازی“ کا جو ثبوت دیا ہے وہ مصر کا ہر فرد جانتا ہے۔ ۱۹۶۵ء

کے اواخر میں جب سوشلسٹ یونین کے ذمہ داروں کو یہ محسوس ہوا کہ یونین عوام کے غیظ و غضب کا براہ راست نشانہ بن چکی ہے تو ان لوگوں نے سامی شرف وزیر ریاست برائے امور صدارت کے اشارہ پر یونین کے اندر ایک خفیہ تنظیم قائم کر لی۔ سامی شرف اس کانگرس اعلیٰ تھا اور شعرا دی جمعہ وزیر داخلہ اس کا انچارج۔ انور السادات نے جب صدارت کا عہدہ سنبھالا تو اس وقت صرف قاہرہ میں اس خفیہ تنظیم کے ارکان کی تعداد ۱۵۰۰ تھی۔

الحمد یہ لکھتا ہے: ”سوشلسٹ یونین کی اس خفیہ تنظیم نے مصر کے اندر خوف و ہراس اور بے اعتمادی کی شدید فضا پیدا کر رکھی تھی۔“

اس تنظیم میں نمایاں افراد کو بڑی چھان بین کے بعد داخل کیا جاتا تھا۔ اس میں صحافی بھی شامل تھے، پولیس کے افسران بھی، وکلاء اور جج بھی اور سرکاری افسر بھی۔ تنظیم کی طرف سے مجبوروں کو باقاعدہ ماہانہ احصائی معاوضہ ملتا تھا مثلاً کوئی بچہ اگر اس کارکن بن جاتا تو اسے ڈھائی سو پونڈ اضافی تنخواہ دی جاتی تھی۔ ہر خفیہ رکن کی کم از کم تنخواہ ایک سو پونڈ تھی۔ اس تنظیم کی ڈیوٹی یہ تھی کہ سوشلسٹ نظام کی سخت کرے۔ ملک کے اندر پھیلائی جانے والی ہر افواہ اور ہر کہانی کو تنظیم کے سربراہ شعرا دی جمعہ تک پہنچائے اور وقت ضرورت ان لوگوں کے حق میں منظر ہرے منظم کرے۔۔۔ صحافت کے اندر بھی خفیہ تنظیم کے گھونسلے تھے تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ صحافیوں کے اندر ایک سو ساٹھ تنظیم کے تنخواہ دار ملازم تھے جو اخبارات سے بھی اپنا معاوضہ لیتے اور تنظیم سے بھی۔ ان میں روزنامہ صفت کے چیف ایڈیٹر کامل الزہری اور المہر کے چیف ایڈیٹر احمد بہاء الدین اور الجہوریہ کے ایڈیٹر بھی شامل تھے۔ ہر دفتر اور ہر محکمے میں صفت اول کے لوگوں کے اندر اس تنظیم کے ارکان موجود تھے۔

ایک مصری جج کا بیان ہے: ”مجموعہ یہ تصور کر سکتے ہو کہ مصر کے اندر ایک گروپ ایسا موجود تھا جس کے پاس جدید ترین الیکٹرونک مشینری تھی۔ اور اس نے ایک ایسی خفیہ تنظیم قائم کر رکھی تھی کہ اگر وہ حرکت میں آ جاتی تو ایک مرتبہ پورا ملک خونریز داخلی انقلاب کی نذر ہو جاتا۔ یہ گروہ لاتعداد سرمائے کا مالک تھا اور اسے بے لگام اثر و نفوذ حاصل تھا۔ اطلاعات کے جملہ وسائل بھی اس کی ملکیت میں تھے۔ اور انہوں نے عام لوگوں کی جاسوسی کے لیے جو سسٹم نافذ کر رکھا تھا اس کی مثال کمپیوٹسٹ ملکوں کے سوا کہیں نہیں ملتی۔“

اس گروہ نے انسانوں پر بڑے ظلم و ستم کیے۔ اگر کسی نچوٹے کار اور شیش خور غنڈے کو ایک کیلو گرام شیش (دھنگ) پلا دی جائے اور اُسے کہا جائے کہ وہ لوگوں کو غدا دینے کا انوکھے سے انوکھا طریقہ اختیار کرے تو اس کے دماغ میں بھی کم از کم یہ اسلوب نہ آئے گا کہ وہ نوخیز بچپوں پر ان کے قیدی باپوں کے سامنے پولیس کے گتوں کو چھوڑے، یہ اسلوب اس گروہ نے اختیار کیا ہے۔

اسی خفیہ تنظیم کے خلاف انور السادات نے آواز بلند کی تھی۔ اور وہ تمام کاغذات اور ٹیمپس اور دستاویزیں سرعام نذر آتش کر دی تھیں جن کے اندر ہر شخص کی عزت پر حملے کیے گئے تھے۔

۳۔ خفیہ پولیس۔ اس ادارے کا حال بھی یہ تھا کہ نامور عرب صحافی محمد صادق کے بیان کے مطابق: ”مارکسٹ سی آئی ڈی کے محکمے میں گھس گئے اور انہوں نے مختلف لوگوں کے خلاف رپورٹیں لکھ لکھ کر بھیجیں۔ کرنل احمد جو پکا کمیونسٹ تھا ان رپورٹوں کو وصول کرتا اور متعلقہ اشخاص کو جیلوں میں ڈالوا دیتا کیونکہ یہ لوگ تھے جنہوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ بنیادی آزادیوں اور جمہوری نظام کے بغیر وہ اس گروہ سے تعاون نہیں کر سکتے۔ انقلابی تحریکیں کمیونسٹوں کے ایک جملے تھیں گروہ کو خرید لیا اور انہیں ایسی جنس بیورو میں مختلف کاموں پر لگا دیا۔ بعد میں انہی لوگوں کو مختلف سرکاری محکموں میں پھیلا دیا تاکہ ہر محکمے کے اندر جاسوسی کا کام کریں اور لوگوں کی گفتگوؤں کو حکومت تک پہنچائیں۔ مصر میں سب سے پہلے کمیونسٹوں نے مصریوں کو تعلیم دینے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں کہ سیاسی تحریکوں کو کس طرح تشدد کے ساتھ ختم کیا جائے اور کس طرح قید و بند اور قتل و غریب کے ذریعہ مخالفین کی زبانیں بند کی جائیں کرنل احمد انور نے اس قدر کشت و خون کیا اور اس قدر لوگوں پر اقترا پر داندی کی کہ وہ بالآخر پاگل ہو گیا۔ خود جمال سالم بھی مرض جنون میں مبتلا ہو گیا تھا اور اسی میں اس کی موت ہوئی۔ احمد انور اور جمال سالم پر جب بیماری کا دورہ پڑتا تھا تو وہ زمین پر گر جاتے اور شدید درد سے چیخیں مارتے یہاں تک کہ ان کی آواز بیٹھ جاتی۔ انگلستان امریکہ، فرانس اور روس تک کے ڈاکٹر اس بیماری کے اسباب دریافت کرنے سے عاجز آ گئے۔ مگر انہیں یہ کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ جو شخص کسی دوسرے انسان پر بلا و جبر ظلم کرتا ہے وہ اللہ کے غدا

میں گرفتار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

شعراوی جمعہ وزیر داخلہ ہونے کی حیثیت سے خفیہ پولیس کا سربراہ تھا۔ اُس نے اس ادارے کو جس انداز میں استعمال کیا وہ ملاحظہ ہو۔ ایجاد کا نامہ نگار تقسیم قاپر لکھتا ہے:

”شعراوی جمعہ اپنے سمبھروں میں تشدد کا امام اور فلیسوف کہلاتا ہے۔ خفیہ پولیس نے آج تک تعذیب کے فن میں جو جدید ترین اختراعات کی ہیں یہ اُن سب سے شناسا ہے بلکہ فن تعذیب میں کئی ایجادوں کا سہرا اس کے سر ہے۔ یہ نظر ہے اسی نے ایجاد کیا ہے کہ اگر ملزم حسبِ تشابہان دینے سے انکار کرنے تو جیل کے اندر اُس کے سامنے اُس کی بیٹیوں اور بہنوں کو پولیس کے کتوں کے آگے ڈالا جائے۔ یہ وہ ایجاد ہے جو نازیوں کے ذہن میں بھی نہ آ سکی۔ نہ روسی کمیونسٹ اس کو سوچ سکے اور نہ اتحادیوں نے تشدد فتح میں مست ہونے کے باوجود اسے انتہا کر کے۔“

۴۔ چوتھا بڑا ہتھیار پولیس کا تھا۔ اخبارات، ریڈیو، ٹیلیوژن اور نشر و اشاعت کے دوسرے سائل سب اس کا مپر نامور تھے کہ وہ حکومت اور بالخصوص ایک مخصوص گروپ کے حق میں پروپیگنڈے کا ہنگامہ بند کیے رکھیں۔ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ علی صبری اور شعراوی جمعہ کی خفیہ تنظیم نے پولیس کے لوگوں میں بھی اپنے ایجنٹ پھیلا رکھے تھے جو عبدالناصر کے زمانے میں عبدالناصر کی شخصیت کا ڈسٹوراپٹتے رہے اور اس کے بعد علی صبری اور اس کے حامیوں کے نفیب بن گئے۔

اخبارات کو جب قومی ملکیت میں لے لیا گیا تو ایک طرف حکومت کے ہاتھ میں پروپیگنڈے کا نہایت مضبوط حربہ آگیا اور مخالفانہ آواز اٹھنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی دوسری طرف سیاسی پارٹیاں میدان میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہر اخبار سیاسی پارٹی کا کردار انجام دینے لگا۔ اس سلسلہ میں ایک عرب صحافی زحیر ماروینی نے بڑی دلچسپ معلومات بیان کی ہیں۔ وہ لکھتا ہے:

”مصری صحافت کے قومی تحویل میں چلے جانے کے بعد اخبارات مختلف طالع آزمائوں کا اکھاڑ بن گئے۔ کیونکہ ان کی نیشنلائزیشن جس طریقہ پر ہوئی تھی اس سے حکومت کی کمزوری کھل گئی۔ ناصر ازم کے نام سے جو بہانت بھانت کے سیاسی افکار اور نظریاتی مذاہب

پل رہے تھے وہ اب اخبارات کے ذریعہ نمایاں ہو گئے۔ روایاتی طاقتیں، یعنی سیاسی پارٹیاں، ہمیشہ وزارتہ تنظیمیں اور تعلیمی و فکری ادارے اگر میدان میں نہ ہوں جن کی بدولت عوام کی آرزوؤں اور امنگوں اور ان کے تصورات و مطالبات کی نمائندگی اور ترقی ہوتی رہے تو سرکاری اخبارات ہی پارٹیوں کی جگہ لے لیتے ہیں اور مختلف نقطہ ہائے نظر کے اظہار کا پلیٹ فارم بن جاتے ہیں۔ عبدالناصر نے یہ سمجھا تھا کہ اخبارات کو اگر سرکاری تحویل میں لیا گیا تو اس طرح وہ صرف ایک ہی پارٹی یعنی سوشلسٹ یونین کے تابع رہیں گے۔ لیکن خود سوشلسٹ یونین اندھیر گردی کا شکار تھی۔ عوام کے بنیادی مسائل سے منہ موڑ چکی تھی۔ اور مکر و فریب کے کاروبار میں مبتلا ہو چکی تھی۔ اس کا کام صرف اپنے مخصوص مفادات سمیٹنا اور مختلف طالع آزماء گروپوں کی حمایت کرنا تھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ ان عناصر کی اسیر ہو گئی تھی جو اسے قائم کرنے والے تھے۔ اور یہ وہ عناصر تھے جو اپنی ذات کے سوا کسی قانون اور قوت کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصری صحافت ایک نہایت خطرناک اور ظالمانہ ہتھیار کی شکل اختیار کر گئی۔“

”عبدالناصر نے مصری صحافت کا یہ خطرناک پہلو دیکھ کر اسے براہ راست سوشلسٹ یونین کی انتظامی کمیٹی کی نگرانی میں دے دیا۔ روزنامہ الاخبار کا نگران انور السادات کو بنایا گیا، روزنامہ الجہوریہ علی صبری کو دے دیا گیا۔ اور الابرارم کو خود عبدالناصر نے اپنے ہاتھ میں رکھ لیا۔ اسی کے نتیجے میں صورتِ معاملہ یوں بنی کہ انور السادات اور علی صبری دو دھڑے تہ مقابل کھڑے ہو گئے جن کا نوازن عبدالناصر کے ہاتھ میں تھا۔ عبدالناصر کے بعد یہ دونوں دھڑے بھڑکے رہے۔“

فاروق کا دور گو غنڈہ گردی سے خالی نہ تھا۔ مگر سیاسی پارٹیاں موجود تھیں اور ان کی وجہ اخبارات بھی آزاد تھے۔ بولائی ۱۹۵۲ء کے فوجی انقلاب کے بعد شروع شروع میں مصری صحافت نے حسبِ معمول آزادی اور جرات کا رویہ اختیار کیا۔ لیکن بعد میں اُس پر، اس سال تک کیا گزری، یہ ایک مصری صحافی ہی کی زبان سے سُنئے :

”۳۱ مئی ۱۹۵۲ء کو مصر کی کونسل آف جرنلسٹ یونین کی طرف سے ایک مشترکہ بیان جاری کیا گیا جس میں کونسل نے پوری شدت کے ساتھ ان مظالم کی مذمت کی جو مصری حکام کے ایک گروہ کی طرف سے مصری عوام پر کیے جا رہے تھے۔ کونسل نے اپنے ممبروں پر مشتمل ایک کمیٹی بھی بنائی تاکہ عالمی صحافت کے ساتھ ربط قائم کرے اور ان خونی واقعات کو رکوٹے جو قرون وسطیٰ کے مظالم سے بھی فوقیت لے گئے ہیں۔ اس تاریخی بیان پر جن صحافیوں نے دستخط کیے ان میں کونسل کے چیئرمین حسین ابوالفتح روزنامہ المصری کے چیف ایڈیٹر اور مصطفیٰ القشاشی اخبار المصری کے اسسٹنٹ ایڈیٹر، فکری ابانہ، محمود العزب موسیٰ اور محمد عبدالحیمن رہا تھے۔“

”یہ بیان اُس وقت کے تمام مصری اخبارات نے چھاپا۔ سوائے روزنامہ الجہوریہ کے جس کا نگراں میجر صلاح سالم تھا۔ چنانچہ اس بیان کے بعد ۲۲ جولائی کی انقلابی تحریک اور مصری صحافت کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ روز ایڈیٹر احسان عبدالقدوس نے ایک بھرپور مضمون لکھا جس کا عنوان تھا: ”ایک مستحجمہ مصر پر حکومت کر رہا ہے“ روز ایڈیٹر کے چیف ایڈیٹر احمد بہاء الدین نے بھی ایک مضمون لکھا اور اس کا عنوان رکھا: ”خفیہ فوجی تنظیم کب اپنے چہرے سے پردہ اٹھائے گی“ مصری کے چیف ایڈیٹر حسین ابوالفتح نے بھی ایسا ہی ایک تند و تیز مقالہ رقم کیا جس کا عنوان تھا: ”دستور کہاں ہے؟“ الجہوریہ المصری کے مالک و ایڈیٹر ابوالنجیر نجیب نے اپنے اخبار میں یہ ادارہ کھاکہ: اپنی بیرونی میں پس جانیے۔ استاد فکری ابانہ نے اس جنگ میں زیادہ سخت رویہ اختیار کیا اور اس فوجی گروہ پر شدید تنقید کی جو دستور و قانون کے بغیر مصر پر حکومت کر رہا تھا۔“

”مٹری پولیس احسان عبدالقدوس کے دفتر میں یکایک داخل ہوئی اور اُسے گرفتار کر کے کسی نامعلوم مقام پر لے گئی۔ احمد بہاء الدین کو اس وقت پکڑ لیا گیا جب وہ دفتر آ رہا تھا ابوالنجیر نجیب کے گھر پر چھاپہ مار کر اُسے گرفتار کر لیا گیا۔ کونسل آف جرنلسٹ یونین کے چیئرمین حسین ابوالفتح کو کونسل کے دفتر میں گرفتار کیا گیا۔ فکری ابانہ بھاگ گیا۔ یہ قصہ ۶ مئی ۱۹۵۲ء کو پیش آیا۔“

”اُس کے بعد مصر پر کئی سال ایسے گزرے جن میں پُرانے قلم چھپ گئے اور نئے قلم ظہور پذیر ہو گئے لیکن تاریخ کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے ہم کہیں گے کہ بیشتر اہل قلم ایسے تھے جنہوں نے تشدد و جبر اور طمع و ز غیب کے باوجود اپنا ضمیر فروخت نہیں کیا۔ انہوں نے جیل کو قلم فروشی پر ترجیح دی، بعض اہل قلم گوشہ نشین ہو گئے۔“

”احسان عبدالقدوس نے تین ماہ جیل میں بسر کیے اس دوران اُس سے کسی شخص کو ملاقات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اُس کی ماں فوجی افسروں کے گھروں کا طواف کرتی، روتی اور آپس بھرتی، مگر کوئی اُسے جواب نہ دیتا۔ مختلف جیلوں کے دروازوں پر جاتی تاکہ معلوم کرے کہ اُس کا بیٹا کس جیل میں ہے لیکن کسی نے اس کی طرف امداد کا ہاتھ نہ بڑھایا۔ ایک روز وہ فوجی جیل کے دروازے کے باہر سو رہی تھی۔ میجر صلاح سالم نے اچانک اُسے دیکھ لیا اور اپنی گاڑی میں بٹھا کر اُسے گھر لے آیا اور احسان عبدالقدوس کو معافی دے دی گئی۔ وہ جیل سے سیدھا روز الیوسف کے دفتر آگیا اور قلم فروشی کو اُس نے اپنا پیشہ بنا لیا۔ آخر کار اُسے اخبار الیوم کا رئیس التحریر بنا دیا گیا۔ احمد بہاء الدین نے چند روز جیل میں گزارے اور اپنی انٹراکٹ نوازی کی وجہ سے جلد ہی رہا ہو گیا۔ اب وہ آزادی کا محافظ ہونے کے بجائے صبح و شام ”آزادی“ کو گیتا تھا۔ جن لوگوں کی کل تک تعریف کرتا تھا اب اُن کے خلاف سی آئی ڈی کو روپوشیں دینے لگا۔ احمد بہاء الدین کو اس قربانی کی جو قیمت دی گئی وہ یہ تھی کہ پہلے وہ ۱۶ پونڈ ماہانہ کما تا تھا اور بعد میں اُس کی ماہانہ آمدنی ایک ہزار چھ سو پچاس پونڈ ہو گئی۔ الجہور المصری کا ایڈیٹر اور الخیر نجیب ۱۳ سال تک جیل میں رہا۔ ۸ سال تک اُسے اپنے کسی عزیز سے جیل میں ملاقات کی اجازت نہیں دی گئی۔ فکری ابا ظہر نے بھی خوشامد کا راستہ اختیار کر لیا اور حکومت کی خدمت کو اپنا وطیرہ بنا لیا۔“

”اس روز سے مصری اخبارات نے اپنا اصل انسانی فرض ترک کر دیا اور نیا فرض اختیار کر لیا۔ یعنی حقائق کو مسخ کر کے پیش کرنا، آزاد اور شریف انسانوں کی شہرت کو بٹھکانا اور ان پر کھچڑا چھاننا اور حکومت کے گُن گانا۔“

ناصر کے دورِ طویل میں پریس کی جملہ اصنافِ مصری نظام کی مدح سرائی کے لیے وقف نہیں ملک کے اندر بھی پریس نے یہی خدمات سرانجام دیں اور ملک کے باہر بھی مختلف اخبارات اس غرض کے لیے خرید لیے گئے۔ المجید کے نامہ نگار زہیر مارونی مقیم قاہرہ نے انکشاف کیا ہے کہ ناصر صاحب اور ان کے ساتھیوں نے بیرونی ممالک میں پروپیگنڈہ کے لیے ۲۰ کروڑ مصری پاؤنڈ کی رقم مخصوص کر رکھی تھی اس رقم کو اب انور السادات نے منجمد کر دیا ہے۔“

علی صبری اور اس کے مضبوط گروپ نے مذکورہ بالا وسائل کے ذریعہ سے مصر کے اندر جو خوفناک فضا پیدا کر رکھی تھی اُس کا کچھ اندازہ سابقہ بیانات سے ہو جاتا ہے لیکن چند ایک بیانات مزید ملاحظہ ہو:-
مصر کے نامور روزنامہ الاخبار کے ایڈیٹر موسیٰ صبری نے اپنے تازہ ترین ادارہ میں لکھا ہے کہ کابینہ کے جو پتے آج ملک مصر کے اندر اپنا گھناؤنا کھیل رچاتے رہے ہیں وہ ہمیشہ کے لیے مصر کی سیاسی زندگی سے رخصت ہو گئے ہیں اور مصری عوام کو خوف و ہراس کی فضا سے نجات مل گئی ہے۔ الاخبار ہی میں مصر کے ممتاز صحافی عبدالرحمن شرفاوی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

”گزشتہ عہد میں مصری معاشرے پر اجنبی اور غیر مانوس اقدار کی حکمرانی رہی ہے۔ اس عہد میں بھلائی اور شرافت، بیوقوفی شمار ہوتی تھی اور راست روی اور فضیلت کو ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔ اس دورِ تاریک میں کوئی شخص اگر اپنے لیے کوئی جگہ حاصل کرنا چاہتا تھا تو اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ طاقت اور نفوذ کے دھڑوں میں سے کسی دھڑے کی پناہ حاصل کرے، گمراہ کن پروپیگنڈے کو شعار بنائے، ظلم و ستم میں مدد دے، جھوٹ کا کاروبار چلائے، اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کی جاسوسی کرے اور اپنے سینے میں انسانی دل کے بجائے پتھر کا سیاہ ٹکڑا رکھے۔“

”اگر کبھی کوئی آواز انقلابی حکومت کے اقدامات کی تصحیح کے مطالبہ میں اٹھتی تھی یا کوئی شخص سوشلزم کے نام پر کی جانے والی دھاندلیوں کو بند کرنے کا مشورہ دیتا تھا تو اسے درندوں کے آگے ڈال دیا جاتا تھا یا اُس پر شکاری کتے چھوڑے جاتے۔ اگر وہ پھر بھی اپنے خیالات سے باز نہ آتا تو اس کے بیٹے کٹیاں نصیب کر دی جاتیں اور اُسے اس الزام میں

قید خانے میں پھینک دیا جاتا کہ شخص سوشلزم کا مخالفت اور انقلاب کا دشمن ہے۔
 ”اب ہمارے لیے خاموشی مناسب نہیں ہے کیونکہ ہم اس وقت تاریکی کی طاقتوں
 غیر ملکی حملہ آوروں اور داخلی دشمنوں کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں غیر ملکی طاقتوں نے زمین
 مصر کے ایک نہایت قیمتی حصہ پر قبضہ کر رکھا ہے جس کو آزاد کرانا ناگزیر ہے۔ لیکن داخلی
 حملہ آوروں کا قابو ہمارے چھاتیوں پر سوار رہا ہے اور اس نے اپنے تاریک سائے
 پورے ملک پر پھیلاتے رکھے ہیں۔ اس داخلی سامراج کے اثرات سے بھی ملک کو کھینٹ
 پاک کرنا ہوگا۔“

”یہ ملکی قزاقوں کا گروہ جسے عوام نے اب اٹھا کر پھینک دیا ہے انقلاب کی مخالفت
 سوشلزم کی حمایت اور ناصرزم کی علمبرداری کے پردوں میں حکومت کے اندر گھس آیا تھا۔ یہ
 گروہ ملیشیا کے ذریعہ اور خوفناک جاسوسی نظام کے بل پر اور قید خانوں کی طاقت سے
 حکمرانی کرتا رہا ہے۔ اس گروہ نے عوام الناس کو کھینچنے اور خوف زدہ رکھنے کے نیٹے زبوں
 سے بھی زیادہ شرمناک طریقے اختیار کر رکھے تھے۔“

روزنامہ ”المجہوریہ“ (جو علی صبری کے زیر نگرانی نکلتا رہا ہے) نے لکھا ہے کہ انور السادات نے بن
 لوگوں کو گرفتار کیا ہے وہ عوام کے دشمن تھے۔ قاہرہ کے ایک اور انگریزی روزنامہ ”ایچ بی این گزٹ“ نے
 لکھا ہے کہ یہ پورا گروہ انسانوں کا نہیں درندوں اور وحشیوں کا گروہ تھا۔ ایک نورسہ سی صحافی لکھتا ہے:

”عبدالناصر کے دور میں جب ہم گھروں سے نکلتے تھے تو ہمیں اس بات کا یقین نہ ہوتا
 تھا کہ ہم گھر واپس جاسکیں گے۔“

یہ بیان خود مصری صحافیوں کے ہیں۔ ۷۷ سال تک بیرونی دنیا مصر کے ان مظالم کے خلاف
 واہلایا کرتی رہی ہے۔ مگر اب خود گھر کے بھیدی ان رازوں سے پردہ اٹھا رہے ہیں۔
 (باقی آئندہ)